© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مجوزہ تعلیمی پالیسی

[یہ مضمون اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے آج سے چند سال پیشتر سابق مارشل لا حکام کی جانب سے تعلیمی پالیسی کے خاکے پر بطور تبصرے کے سپردِ قلم کیا تھا لیکن اس میں جو نکات اٹھائے گئے ہیں اور جن امُور کی طرف اشارہ کیا ہے وہ آج بھی ہماری تعلیمی پالیسی کے لیے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی احساس کے تحت ڈاکٹر صاحب کا یہ قابلِ قدر تبصرہ تھوڑے سے حک و اضافہ کے ساتھ اسلامی تعلیم میں شائع کیا جا رہا ہے]۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ اسلامی تعلیم قومی اتحاد کا ایک ہی ممکن ذریعہ ہے جسے ہم خاطر خواہ نتائج کا پُورا یقین رکھتے ہوئے کام میں لا سکتے ہیں۔ ہماری موجودہ تشویشناک اور روز افزوں بے اتفاقی کا سبب یہی ہے کہ ہم نے اب تک اس ذریعہ کو استعمال نہیں کیا اور اب بھی اگر ہم اس ذریعہ کو بلا توقف اور پُوری قوت کے ساتھ استعمال نہیں کریں گے تو پاکستان کا ٹکڑوں میں بٹ کر مٹ جانا یقینی ہے جب سے پاکستان وجود میں آیا ہے ملک کے قومی نظریہ کی حیثیت سے اسلام کا نام بار بار لیا جاتا رہا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج سے پہلے ہمارے کسی رہنما نے اسلام کو ملک کے اتحاد کی پرورش کرنے والی اور قومی کردار کو بلند کرنے والی عملی قوت بنانے کی مخلصانہ کوشش نہیں کی۔

اسلام کے ساتھ ہمارے لیڈروں کے افسوسناک طرزِ عمل کا نتیجہ آخر کار اس خوفناک قومی انتشار کی صورت میں ظاہر ہوا جس کا نظارہ ہم نے موجودہ مارشل لا کے نفاذ سے پہلے دیکھا تھا۔ اقتدار کو غلط طریقوں سے قائم رکھنے اور استعمال کرنے کے سلسلہ میں ہمارے ان لیڈروں نے بے شمار جرائم کا ارتکاب کیا ہو گا۔ لیکن پاکستان کی تاریخ لکھنے والا آئندہ کا مؤرخ ان کا سب سے بڑا جرم یہی قرار دے گا کہ ان کی ناعاقبت اندیشی نے اسلام کو پسِ پشت ڈال کر پاکستان کے اندر ایک نظریاتی خلا پیدا کیا جو افراد کی سفلی اور حیوانی خواہشات کو اُبھارتا رہا۔ ان کی علاقائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نسلی اور لسانی عصبیتوں کو مضبوط کرتا رہا۔ اعلیٰ قومی، اخلاقی اور روحانی مقاصد کو نظروں سے اوجھل کرتا رہا اور ایسے غیر ملکی نظریات اور تصورات سے پُر ہوتا رہا جو مجموعی طور پر پاکستانی قوم کے ذوق، مزاج، تاریخ اور روایات کے منافی ہے۔ دوسرے لفظوں میں آئندہ کا مؤرخ ان کا سب سے بڑا جرم یہ قرار دے گا کہ انہوں نے آفاق گیری کے ولولے رکھنے والی ایک اُبھرتی ہوئی نظریاتی قوم کے ولولوں کو سرد کرنے، اس کے قالب سے قوتِ حیات کو سلب کرنے اور اس کے نظریاتی قتل کا ارتکاب کرنے کی کوشش کی تھی۔

تاہم اب مارشل لا احکام کی دانشمندانہ روش سے یہ اُمید پیدا ہو گئی ہے کہ مارشل لا ہٹنے سے پہلے اسلام ملک کے اتحاد کو قائم کرنے والی ایک زبردست قوت کی حیثیت سے بروئے کار آ چکا ہو گا اور مارشل لا ہٹنے کے بعد ملک انتشار کی اس خوفناک آگ کے گڑھے میں دوبارہ نہیں گرے گا جس میں وہ ایک دفعہ گر کر حُسنِ اتفاق سے بچ نکلا ہے۔

اب تک اسلام کو پاکستانی ریاست کے تمام اعمال و افعال بالخصوص تعلیم کی رُوح بنانے کے راستہ میں جن فرضی رکاوٹوں کا ذکر کیا جاتا رہا ہے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کو معلوم ہی نہیں کہ اسلام ہے کیا۔ اب تک اسلام کی وضاحت کوئی نہیں کر سکا۔ آخر ہم کس اسلام کو جامۂ عمل پہنائیں اور دوسری یہ کہ اسلام میں کئی فرقے ہیں اگر اسلام یہاں لایا گیا تو وہ کس فرقے کا اسلام ہو گا۔

یہ دونوں اعتراضات قطعی طور پر غلط اور بے بنیاد ہیں۔ یہ یا تو ان لوگوں کے توہمات ہیں جو اسلام سے ناواقف ہیں اور جن کی تربیت ایسے بے دین، بے علم اور دہریت پسند ماحول میں ہوتی ہے کہ ان کو موقع ہی نہیں مل سکا کہ وہ اسلام کو جان سکیں یا سمجھ سکیں یا یہ ان لوگوں کے بہانے ہیں جو اپنی سفلی اور حیوانی خواہشات میں اس قدر غرق ہیں کہ اسلام کے مرد آزما اور مرد آفریں اخلاقی ضابطے کو اپنے آپ پر عائد نہیں کر سکتے اور اسلام کی آمد کے خیال سے کانپ جاتے ہیں۔ یا یہ اُن لوگوں کی چالیں ہیں جو دوسرے ازموں کے پراپیگنڈے کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور دل ہی دل میں ان کے فروغ کے متمنی ہیں۔ اور یا پھر یہ اُن مغربی دانشوروں کا گمراہ کُن پراپیگنڈہ ہے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر اسلام ایک سیاسی، علمی اور اخلاقی قوت کی حیثیت سے پھر دنیا میں اُبھر آیا تو ان کی بے خدا تہذیب اس کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہ جائے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا سیدھا سادہ صاف اور واضح دین ہے کہ اس کی بنیادی تعلیمات کے بارہ میں کوئی دیانت دار اور واقفِ حال انسان کسی شک یا اُلجھن میں نہیں رہ سکتا۔ اور اسلام میں کوئی ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرقے موجود نہیں جو اسلام کی ضروری اور بنیادی باتوں میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہوں۔

ان دنوں بعض لوگ اسلامی اصولوں کے نفاذ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اسلام کا سب سے بڑا اور بنیادی اصول خدا کی محبّت اور عبادت ہے یعنی یہ کہ انسان خدا سے محبت کرے، خدا کی حمد و ثنا کرے اور اپنے تمام اعمال و افعال کو خدا کی محبت کے تابع بناتے۔ کلمۂ توحید اسی اصول کا بیان ہے۔ اور یہی اصول اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور دوسرے تمام اصول اس سے ماخوذ ہیں اور اسی پر مبنی ہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام میں کوئی عمل اس وقت کسی قدر کا حامل ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کا کرنے والا اُسے اس نیّت سے نہ کرے کہ اس کے ذریعہ سے اُسے خدا کی رضامندی حاصل ہو گی یعنی یہ فعل خدا اور اس کے درمیان محبّت کے تعلق کو اور گہرا کرے گا اور اسے اپنے ذاتی اوصاف و شمائل میں خدا سے قریب تر لائے گا۔ اس سے یہ بات آشکار ہے کہ خدا کا تصوّر اسلام کا مرکزی اور بنیادی اصول ہے۔ اسلام کے تمام فرقے اس اصول پر پوری طرح سے متفق ہیں بلکہ اسلام کے اُن باقی ماندہ چار بڑے اصولوں یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر بھی جو اس سب سے بڑے اور بنیادی اصول سے ماخوذ ہیں متفق ہیں۔ اور باتوں میں مسلمان فرقوں کے مذہبی اختلافات فروعی اور غیر اہم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نظریاتی طور پر ایک اسلامی ریاست کی کم از کم ضرورت یہ ہے کہ وہ اسلام سے خدا کا وہ تصوّر مراد لے جو اسلام نے پیش کیا ہے اور لوگوں کے فروعی مذہبی معاملات کو جو بہر حال خدا کے تصوّر ہی سے ماخوذ اور متعلق ہوں گے، لوگوں پر چھوڑ دے اور پھر ملک کے نظامِ تعلیم کو خدا کے تصوّر پر قائم کرے تاکہ یہ تصوّر پوری قوم کا مؤثر اور طاقتور سیاسی اور علمی اور اخلاقی عقیدہ بن جائے اور اس کے بالمقابل تمام دوسرے تصوّرات اور نظریات کمزور اور بے اثر ہو جائیں۔ ایسا کرنے سے وہ اسلامی ریاست فرقہ وارانہ اختلافات سے قطع نظر کر کے اسلام کے تقاضوں کو جماعتی طور پر پورا کرنے اور اپنے آپ کو ایک مکمل اسلامی ریاست بنانے کی سمت میں وہ پہلا اور بنیادی قدم اٹھا سکے گی جس کے بغیر اس سمت میں کوئی اگلا قدم ممکن نہیں ہو سکتا۔ انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی کوئی کامیابی فی الفور حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہر کامیابی کو حاصل کرنے کے لیے اس کو قدم بہ قدم اور بتدریج آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ اس کا دوسرا قدم پہلے کے بغیر اور تیسرا دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔

خدا کے تصوّر میں کئی خصوصیات ایسی ہیں جو اُسے ایک جدید اسلامی ریاست کے نظامِ تعلیم میں مرکزی اور محوری مقام پانے کے لیے ناگزیر بناتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوّل: یہ تصوّر انسان کے اعمال کا صحیح مقصود اور مدّعا ہے۔ نفسیاتِ انسانی کے جو حقائق حال ہی میں سامنے آتے ہیں اُن سے یہ بات پوری طرح سے ثابت ہوتی ہے کہ انسان کے اعمال کی قوّتِ محرکہ ایک ایسے نصب العین کی محبّت کا جذبہ ہے جو ہر خوبی اور کمال سے آراستہ اور ہر نقص اور عیب سے مبرا ہو۔ یہ تصوّر وہی ہے جسے عام انسان خدا کا نام دیتا ہے۔ تاہم جب انسان اپنے جذبہ محبت کے صحیح مقصود کو نہ جانتا ہو تو یہ جذبہ غلط تصوّرات اور نظریات کی راہ سے اپنا اظہار پانے لگتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سے غلط قسم کے اعمال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ خدا کا تصوّر انسان کو غلط تصوّرات اور نظریات اور غلط اعمال و افعال سے بچاتا ہے اور ان کے نقصانات سے محفوظ رکھتا ہے۔

دوم۔ انسان کی شخصیّت حسن کی طلبگار ہوتی ہے۔ خدا کا تصوّر انسان کے لیے خدا کے اوصافِ حسن و کمال کی صورت میں اس کے ذوقِ حسن کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے۔ انسان کی شخصیّت عبادت اور ذکر کے ذریعہ سے نشوونما پاتی اور طاقت اور قوت حاصل کرتی ہے۔ اسی عمل کو تعلیم کہتے ہیں۔ تعلیم انسان کی شخصیّت کی نشوونما کا دوسرا نام ہے اور اس نشوونما میں علم کے ساتھ عبادت بھی اپنا کام کرتی ہے۔

سوم۔ خدا کا تصور انسان اور کائنات کے صحیح حکیمانہ اور سائنسی نظریہ کی واحد بنیاد ہے اور لہٰذا سائنس اور فلسفہ کے علوم کی صحیح راہ نمائی کرتا ہے۔

چہارم: چونکہ خدا ان تمام مظاہرِ قدرت کا خالق ہے جو سائنس دان کے مشاہدہ اور مطالعہ کا موضوع ہوتے ہیں اور خدا کی صفات مظاہرِ قدرت میں آشکار ہیں لہٰذا مظاہرِ قدرت خدا کی ہستی اور صفات کے نشانات اور دلائل ہیں۔ اِس بنا پر خدا کے تصوّر کی مزید خصوصیّت یہ ہے کہ وہ ہر سائنس کے حقائق کو منظم کرکے اس کا مرکزی تصوّر بن سکتا ہے اور کسی دوسرے تصور میں یہ خصوصیّت موجود نہیں۔

افسوس ہے کہ مغربی سائنسدان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ سائنس نہ تو کسی عقیدہ سے آغاز کرتی ہے نہ کسی عقیدہ پر مبنی ہوتی ہے لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کا عقیدہ سائنس میں داخل ہو جائے۔ لیکن اصل سوال یہ نہیں کہ خدا کا عقیدہ سائنس میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ علم اور عقل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کوئی سائنس دان خدا کے عقیدہ کو سائنس سے الگ رکھے۔

مغربی سائنس دان فقط قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ میں مصروف رہتا ہے اور اسی کو وہ سائنسی عمل سمجھتا ہے اسے معلوم ہی نہیں کہ اس سائنسی عمل کی حقیقت کیا ہے۔ آیا یہ کسی غیر ثابت شدہ اعتقاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مبنی ہے یا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے فلسفہ کی کوئی ٹریننگ نہیں ہوتی اور یہی وہ ٹریننگ ہے جو انسان کو کسی چیز کی بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔ لہٰذا اگر وہ یہ سمجھے کہ سائنس کسی عقیدہ سے آغاز نہیں کرتی تو اسے معذور سمجھنا چاہیے کیونکہ مچھلی کبھی نہیں سمجھ سکتی کہ کوئی جاندار ہوا میں بھی زندہ رہ سکتا ہے بلکہ بہترین قسم کا جاندار انسان ہوا میں ہی رہتا ہے۔ لیکن مغربی سائنسدان کو اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ اپنے سائنسی عمل کی بنیادوں کی لاعلمی کی وجہ سے پاکستان میں سائنسی تعلیم کے صحیح طریق کار کے اجرا میں کوئی رکاوٹ پیدا کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ اس کا ہر عمل ایک عقیدہ سے آغاز کرتا ہے ورنہ وہ آغاز کر ہی نہیں سکتا۔ مثلاً ہر عمل سے پہلے ہم واضح طور پر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ عمل ہمارے فلاں مقصد کے لیے مفید ہوگا یا اس عمل کو بہترین طریق سے انجام دینے کے لوازمات یہ ہیں۔ سائنسی عمل اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں۔ مغربی سائنس اس اعتقاد پر مبنی ہے کہ:

> "صداقت وہی ہے جسے ہم اپنے حواسِ خمسہ سے دریافت کر سکیں۔ جو چیز ہم حواسِ خمسہ سے معلوم نہیں کر سکتے وہ یا تو موجود ہی نہیں یا اگر موجود ہے تو چونکہ وہ حواسِ خمسہ سے جانی نہیں جا سکتی وہ معدوم کے حکم میں ہے۔"

مغربی سائنسدانوں نے اسی اعتقاد کی بنا پر خدا کا عقیدہ سائنس سے خارج کیا ہے۔ یہ اعتقاد سائنس سے ثابت شدہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سائنسی عمل کے آغاز سے پہلے موجود ہوتا ہے۔ اور سائنسی عمل اس کی راہ نمائی میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب مغربی سائنس دان اپنے سائنسی عمل کو اس عقیدہ سے آغاز کرتا ہے کہ سائنسی عمل کو کسی عقیدہ سے آغاز نہیں کرنا چاہیے تو وہ نہ صرف اپنے موقف کی خود تردید کرتا ہے بلکہ اس کو ناقابلِ عمل ثابت کرتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ درست نہیں۔ کسی شے کے وجود کو یقینی طور پر جاننے کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ ہم اسے آنکھوں سے دیکھیں بلکہ اس کے اثرات اور نتائج کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی ہم اس کے وجود کا یقین کر سکتے ہیں۔ جس طرح ہم دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا یقین کرتے ہیں اگرچہ ہمیں آگ نظر نہ آتی ہو۔ اور مغربی سائنسدان اس اصول پر خود عمل نہیں کر سکا کیونکہ وہ ایٹم کو دیکھنے کے بغیر ایٹم کے اثرات اور نتائج سے ایٹم کے وجود کا اور اس کے اوصاف و خواص کا یقین کرتا رہا ہے۔ ہیروشیما کی تباہی تک ایٹم کو کسی سائنس دان نے خوردبین سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ خدا کو بھی ہم براہِ راست نہیں دیکھتے لیکن کائنات میں اس کی تخلیقی سرگرمیوں کو دیکھ کر اس کے وجود اور اس کی صفات کا یقین کرتے ہیں۔ لیکن مغربی سائنسدان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف خدا کے بارہ میں اس اصول پر عمل کرتا ہے اور خدا کو معدوم کے حکم میں اس لیے رکھتا ہے کہ وہ اسے نظر نہیں آتا۔ سائنس اس لیے ممکن ہوئی ہے کہ مظاہرِ قدرت میں ہر جگہ نظم پایا جاتا ہے اگر قدرت میں نظم نہ ہوتا تو سائنس ممکن نہ ہوتی، کیونکہ سائنس دان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ مظاہرِ قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ سے یہ دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ان میں نظم کہاں کہاں موجود ہے۔ جب وہ ان میں کہیں نظم دریافت کر لیتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ اس نے سائنس کا ایک اور انکشاف کر لیا ہے۔ لیکن نظم کیا چیز ہے۔ نظم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کسی ذہن کی تخلیقی اور مقصدی کارروائی کا نتیجہ ہوتا ہے ورنہ وہ موجود ہی نہیں ہو سکتا مثلاً اگر ہم مکئی کے چند دانے کہیں بکھرے ہوتے دیکھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اتفاقاً گر پڑے ہوں گے لیکن اگر وہی دانے ایک مکمل دائرہ کی شکل میں یا حروف یا بیل بوٹوں کی صورت میں آراستہ ہوں تو ہم فوراً یہ کہیں گے کہ یہ کسی انسان کے ذہن کا کام ہے۔ اسی طرح سے اگر ہم کسی ایسے جنگل میں چلے جا رہے ہوں جہاں کسی انسان کا گزر مشکل ہو اور اچانک ہی ایک جھونپڑی دیکھ لیں تو ہم فوراً یہ کہیں گے کہ کوئی انسان یہاں پہنچا تھا جس نے یہ بنائی ہے۔ قدرت میں قدم قدم پر ہمیں وہ نظم دکھائی دیتا ہے جو گول دائروں میں، حروف میں، بیل بوٹوں کے نقوش میں اور جھونپڑیوں میں موجود ہے۔ مثلاً نظم ایک ایٹم میں، ایک سالمہ میں، ایک خلیہ میں، ایک قلم (کرسٹل) میں، برف کے ایک گالہ میں، اجرامِ فلکی کے نظامات میں ہر جاندار کے جسم میں اور انسانی شخصیت میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ سائنس دان قدرت میں نظم دریافت کر کے یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ یہ نظم کس کے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس سوال کا جواب نہ دینا علم کے ساتھ انصاف نہیں۔ اگر ہم ان سوالات کا جواب نہ دیں جو ہماری علمی جستجو پیدا کرتی ہے تو علم کی ترقیاں رک جاتی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ مغربی سائنسدان اس سوال سے گریز کرتا ہے اور اس کا جواب دینا نہیں چاہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سوال کا جواب سوائے خدا کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اور یہ جواب مغربی سائنسدان کے حسی صداقت کے بنیادی عقیدہ کے خلاف ہے اور اسے اچھا نہیں لگتا لیکن اس سوال کے جواب سے اعراض علمی دیانت داری ہرگز نہیں۔ ٹی ایچ ہکسلے (T.H. HUXLEY) نے سائنس دان کے ضابطۂ عمل کا نہایت عمدہ اختصار کیا تھا جب اس نے چارلس کنگزلے (CHARLES KINGSLEY) کو ایک خط میں لکھا کہ:

"صداقت کے سامنے ایک چھوٹے بچے کی طرح زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ ہر ایسے خیال کو دل سے نکال دینے کے لیے تیار رہو جو پہلے سے دل میں جما ہوا ہو۔ نہایت انکسار کے ساتھ قدرت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیچھے پیچھے چلتے رہو خواہ تمہیں وہ کسی گڑھے میں ڈال دے۔ اگر تم ایسا نہ کر سکو تو سمجھ لو کہ تم کچھ بھی سیکھ نہ سکو گے۔"

لیکن جہاں تک خدا کے عقیدہ کا تعلق ہے مغرب کا سائنس دان اپنے دل سے یہ خیال نکالنے کے لیے تیار نہیں کہ صداقت صرف وہی ہے جسے ہمارے حواس خمسہ دریافت کر سکیں۔ اگر نظم ہر سائنس کی مرکزی حقیقت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا کا تصور بھی نظم کی تشریح کے طور پر ہر سائنس کی مرکزی حقیقت نہ ہو۔ اگر روس کے لوگ جدلی مادیات کو جو ایک غلط فلسفہ ہے سائنس کا مدار اور مرکز بنا سکتے ہیں تو ہم خدا کے تصور کو جو نظم کی ایک ہی ممکن اور معقول تشریح ہے۔ سائنس کا مرکزی تصور کیوں نہیں بنا سکتے۔ ان حقائق کی بنا پر مجوزہ تعلیمی پالیسی کے متعلق میری گذارشات حسب ذیل ہیں:

(۱) اسلامی تعلیم کے معنی یہ نہیں کہ ہم اسلامیات کے ایک مضمون کو آٹھویں جماعت تک نصاب تعلیم میں شامل کر دیں۔ اگر ہم اسلامیات کے علیحدہ مضمون کو ایم اے اور ایم ایس سی کی آخری جماعت تک بھی شامل کر دیں تو اس سے ہمارا نظامِ تعلیم اسلامی نہیں بن سکتا۔ اسلامی نظامِ تعلیم وہی ہو سکتا ہے جس میں تمام علوم کی نصابی کتابیں اسلام کے نظریہ انسان و کائنات کے مطابق ہوں۔ چونکہ اسلام کے نظریۂ انسان و کائنات کی روح خدا کا تصور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نظامِ تعلیم اسلامی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں تمام سائنسی علوم کی نصابی کتابیں اس طرح سے نہ لکھی گئی ہوں کہ خدا کا تصور ان کے مواد کو منظم کرنے والا مرکزی اور محوری تصور رہو۔

مغرب میں جو مختلف علوم کی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اسلامی نظریۂ کائنات کے مطابق نہیں کیونکہ ان کتابوں کا بنیادی اعتقاد یہ ہے کہ صداقت صرف وہی ہے جسے ہم حواسِ خمسہ سے دریافت کر سکتے ہیں۔ چونکہ یہ اعتقاد درست نہیں اس لیے جو علوم اس اعتقاد کی روشنی میں مرتب کیے گئے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی پہلو سے نا تمام اور ناقص رہ گئے ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی نظریۂ کائنات کے مطابق سب سے بڑی صداقت جو تمام صداقتوں کی ابتدا اور انتہا ہے خدا ہے۔ اگرچہ ہم خدا کو براہِ راست نہیں دیکھ سکتے، تاہم مظاہر قدرت کے اندر جو نظم اور مقصد کے اوصاف پائے جاتے ہیں وہ ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم خدا کے تصور کو ایک ایسے معقول علمی تصور کے طور پر قبول کریں جو تمام علوم کی جان ہو۔ علوم کے متعلق مغربی تہذیب اور اسلام کے نقطۂ نظر کے اس بنیادی فرق کی وجہ سے اسلام مغرب کے ہر علمی موقف کو من و عن تسلیم نہیں کرتا بلکہ ہر علمی مسئلہ کے متعلق اپنے بنیادی تصورات کی روشنی میں اپنی جداگانہ رائے قائم کرتا ہے اور اپنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الگ فیصلہ صادر کرتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق اسلام کے نزدیک حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ درست کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ معقول کیا ہے اور نامعقول کیا ہے؟ قرآنِ حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ حکمت کی کتاب ہے اور اس ذات پاک نے نازل کی ہے جو آسمان اور زمین کے اسرار و رموز کو جانتا ہے قل انزلہ الذی یعلم السرّ فی السمٰوات والارض (اے پیغمبر کہیے کہ اسے اس ذات پاک نے نازل کیا ہے جو کائنات کے اسرار و رموز کو جانتا ہے) پھر قرآنِ حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دے۔ لیحق الحق ویبطل الباطل (تاکہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دے دے)۔ اور وہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ علمی مسائل کے سمیت ان تمام مسائل کے بارہ میں اپنے فیصلے صادر کرے جن میں لوگ اختلافات رکھتے ہیں (لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ۔ تاکہ ان مسائل میں لوگوں کے درمیان فیصلے صادر کرے جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں)

چنانچہ قرآنِ حکیم انسان اور کائنات کی حقیقت کے متعلق ہمیں ایسے تصورات عطا کرتا ہے جس کی روشنی میں ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کے نزدیک علم، عقل، حکمت، سائنس، طبیعیات، حیاتیات، نفسیات، سیاست، فن، اخلاق، تعلیم، اقتصاد، قانون، تاریخ، ارتقا، نبوت، انسان، جنت، نصب العین ایسے موضوعات کے متعلق صحیح نقطۂ نظر کیا ہے۔ ان سب موضوعات کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر خدا کے عقیدہ پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظامِ تعلیم میں خدا کا تصور تمام علوم کا محوری تصور ہے۔ اسلامی نظامِ تعلیم میں بے خدا طبیعیات، بے خدا حیاتیات، بے خدا نفسیات، بے خدا سیاسیت، بے خدا قانون، بے خدا اقتصادیات، بے خدا تاریخ، بے خدا تعلیم اور ایسے اور بے خدا علوم اور منطقی اثباتیت (لاجیکل پازیٹوزم)، بی ہیویریزم (نظریہ کردار)، مارکسزم۔ فرائڈزم۔ ایڈلرزم۔ میکڈوگلزم ایسے بے خدا فلسفے علمی نظریات کی حیثیت سے پڑھائے نہیں جا سکتے۔ بلکہ صرف ان کی منطقی اور عقلی غلطیوں کو سمجھنے کے لیے پڑھائے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان علوم اور نظریات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کس طرح سے جب کوئی علم نظریہ خدا کے تصور سے الگ ہو کر وجود میں آتے تو اس میں عقلی اور منطقی خامیاں اور ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسلامی نظامِ تعلیم ایسے نظریات کی خامیوں اور ناہمواریوں کو دریافت کر کے آشکار کرتا ہے۔

تہذیب مغرب کے اس بنیادی عقیدہ نے کہ صداقت وہی ہے جسے ہم حواس خمسہ سے دریافت کر سکیں اور خدا ایک ایسی صداقت نہیں جتنا برا اثر انسانی اور سماجی علوم مثلاً فلسفۂ سیاست، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ اقتصاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسفۂ تاریخ، فلسفۂ نفسیاتِ فرد اور فلسفۂ نفسیاتِ جماعت، فلسفۂ علم اور فلسفۂ فن وغیرہ پر ڈالا ہے اتنا طبیعیاتی اور حیاتیاتی علوم پر نہیں ڈالا۔ طبیعیاتی اور حیاتیاتی علوم میں تو پھر بھی مغرب کے سائنس دان بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کرنے کے مدعی ہیں (اگرچہ وہ کامیابیاں ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہیں جو ان علوم میں خدا کے تصوّر کو داخل کرنے سے انہیں حاصل ہو سکتی ہیں) لیکن انسانی علوم میں وہ اپنی لاعلمی اور بے بسی کا اعتراف رو رو کر کرتے ہیں۔ ان علوم میں ان کی بے مائگی کا سبب یہ ہے کہ خدا کے اسلامی تصوّر کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا کائنات کا خالق ہے اور اس کی ذات اور صفات مظاہرِ قدرت کے اندرونی نظم اور مقصد میں آشکار ہیں اور دوسرا یہ کہ انسان سراسر خدا کی محبت کا ایک جذبہ ہے اور یہی جذبہ اس کے تمام اعمال و افعال کی قوتِ محرکہ ہے۔ اگر اس تصوّر کا یہ دوسرا پہلو بھی صحیح ہے جیسا کہ درحقیقت صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تصوّر کی روشنی کے بغیر کوئی بڑے سے بڑا ماہرِ فطرتِ انسانی بھی اعمالِ انسانی کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا اور اُن کے معقول اور مدلّل اور قابلِ فہم فلسفے (جن کو انسانی اور سماجی علوم کہا جاتا ہے) مدوّن نہیں کر سکتا۔ مغرب کے لوگ چونکہ اپنی تہذیب کے حسی صداقت کے بنیادی عقیدہ کے زیرِ اثر اور اس کلیدی تصوّر کی روشنی کے بغیر ان علوم کو مدوّن کرتے رہے ہیں لہٰذا ناکام اور نامراد رہے ہیں لیکن وہ بدقسمتی سے اب بھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر وہ ان علوم کی طرف زیادہ توجہ کریں تو وہ اس تصوّر کی روشنی کے بغیر ان علوم کے اسرار و رموز سے پردہ کشائی کر سکیں گے۔ مغرب کا ایک ماہرِ نفسیات سکنر (SKINNER) لکھتا ہے:

"سائنس کی ترقی غیر متوازن طور پر ہوئی ہے۔ آسان مسائل کو پہلے گرفت میں لے لینے کی وجہ سے اس نے بے جان قدرت پر ہمارا تصرّف بڑھا دیا ہے لیکن اُن معاشرتی مسائل کا کوئی حل پیش نہیں کیا جو اس کے نتیجہ کے طور پر پیدا ہوئے ہیں ..... بے جان قدرت کی سائنس کو ترقی دینے کا کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ اس کے اندر فطرتِ انسانی کی سائنس بھی بڑی مقدار میں شامل نہ ہو کیونکہ اسی صورت میں اس کے حاصلات دانش مندی کے ساتھ کام میں لائے جا سکتے ہیں"

("سائنس اور انسانی کردار"۔ سکنر)

مغرب کا ایک اور ماہرِ نفسیات میکڈوگل اپنی کتاب "عالمی انتشار" میں لکھتا ہے:۔

"فطرتِ انسانی کے بارہ میں ہماری لاعلمی اب تک تمام انسانی اور اجتماعی علوم کی ترقی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے سدِّراہ بنتی رہی ہے اور اب بھی بنی ہوتی ہے۔ یہ علوم ہمارے زمانہ کی ایک شدید ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر ہماری تہذیب زوال بلکہ شاید مکمل تباہی کے شدید خطرہ کا سامنا کر رہی ہے۔ ہم علمِ نفسیات کا، علمِ اقتصادیات کا، علمِ سیاسیات کا، علمِ قانون کا، علمِ معاشرت کا اور اس کے علاوہ اور بہت سے فرضی علوم کا ذکر کرتے رہتے ہیں لیکن سیدھی سادی حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام دل کش نام فقط ہمارے علم کے خلاؤں کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ فقط ان وسیع و عریض غیر آباد صحراؤں کی نشان دہی کرتے ہیں جن کی سیاحت ابھی تک نہیں کی گئی لیکن یہ صحرا وہ ہیں کہ اگر ہماری تہذیب نے زندہ رہنا ہے تو ہمیں ان کو کسی قاعدہ کے تحت لانا ہی پڑے گا۔

میرا ادّعا یہ ہے کہ اپنی تہذیب کے توازن کو بحال کرنے کے لیے ہمیں انسان کی فطرت اور سوسائٹی کی زندگی کا علم (منظم کیا ہوا، آراستہ کیا ہوا علم یا سائنسی علم) اس سے بہت زیادہ درکار ہے جو ہمیں اب تک حاصل ہوا ہے۔

لہٰذا یہ ہے وہ ایک ہی طریقِ کار جس سے ہم اپنی تہذیب کی موجودہ غیر یقینی اور روز بروز زیادہ خطرناک ہونے والی حالت کا مداوا کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے انسانی اور اجتماعی علوم کو سچ مچ کے علوم کی شکل دینی چاہیے۔

انسانی اور اجتماعی علوم کی بنیاد دریافت کرنے اور اُن کے طریقِ ترتیب و تدوین کو مہیا کرنے کی ضرورت آج اتنی شدید ہے کہ پہلے کبھی نہ تھی تو پھر عملی نقطۂ نظر سے علاج کیا ہوا۔ میں اپنے جواب کو مختصر طور پر پیش کرنے کے لیے یہ بتاؤں گا کہ اگر میں ایک ڈکٹیٹر ہوتا تو کیا کرتا..... میں ہر ممکن طریق سے اس بات کی کوشش کرتا کہ ہمارے بہترین دماغوں کو طبیعیاتی علوم سے ہٹا کر انسانی اور اجتماعی علوم میں تحقیق کے کام پر لگا دیا جائے۔"

(ورلڈ کیاس صفحات ۹، ۵۹، ۱۱۲، ۱۱۵)

میکڈوگل انسانی اور اجتماعی علوم کو نئے سرے سے لکھ کر مغربی تہذیب کو متوقع زوال سے بچانا چاہتا کیونکہ وہ یہ اندازہ کر رہا ہے کہ مغربی تہذیب کا زوال کسی نہ کسی طرح ان علوم کی ابتر حالت کے ساتھ متعلق ہے تاہم اسے معلوم نہیں کہ ان علوم کو کس طرح سے بدلا جائے کہ ان کے ذریعہ سے مغربی تہذیب کا زوال رک جائے۔ لیکن مغرب کا ایک دوسرا عالم ... بتاتا ہے کہ مغربی تہذیب کے زوال کا سبب یہ ہے کہ اس تہذیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے غلطی سے اپنا بنیادی عقیدہ یہ قائم کیا کہ صداقت صرف وہی ہو سکتی ہے جو ہم اپنے حواس سے معلوم کریں اور اس طرح سے خدا اور روح کے تصوّرات کو اپنے علوم سے خارج کر دیا اور یہ تہذیب زوال سے نہیں بچ سکتی جب تک کسی روحانی عقیدہ کو اپنی بنیاد نہ بنائے۔ اس مفکر کا نام پٹی رم سوروکن ہے جو امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں سوشیالوجی کا پروفیسر رہا ہے اور جس کو امریکی رسالہ "سوشیالوجی اور سوشل ریسرچ" عہدِ حاضر کا سب سے بڑا عبقری قرار دیتا ہے۔ سوروکن اپنی کتاب "ہمارے دور کا بحران" میں لکھتا ہے کہ مغربی تہذیب ایک المناک بحران تک پہنچ گئی ہے جو عنقریب اس کی تباہی کا موجب ہو گی اور یہ تباہی دولتِ حاضر کے انسان کے لیے ذلّت کا پیغام اپنے ساتھ لائے گی۔ وہ لکھتا ہے کہ مغربی تہذیب کے اس بحران کا سبب یہ ہے کہ:

"وہ اِس عقیدہ کی بنا پر وجود میں آئی تھی کہ حقیقی نیکی اور حقیقی صداقت دونوں کلیتہً یا بیشتر حسّی اور مادّی ہیں۔ ہر وہ چیز جو حواسِ خمسہ کی گرفت سے باہر ہے بطورِ صداقت کے فرضی ہے یا تو اس کا کوئی وجود ہی نہیں یا اگر کوئی وجود ہے تو چونکہ اُسے حواسِ خمسہ سے معلوم نہیں کیا جا سکتا وہ غیر موجود کے حکم میں ہے۔ چونکہ حقیقی نیکی اور حقیقی صداقت کو مادی یا حسی قرار دے لیا گیا تھا ہر وہ چیز جو حواس کے حدِ ادراک سے ماورا تھی خواہ وہ خدا کا تصور تھی یا انسان کا شعور، ہر وہ چیز جو غیر حسّی یا غیر مادی تھی اور جو روزمرہ کے تجربہ میں دیکھی، سُنی، چھوئی یا سُونگھی نہیں جا سکتی۔ ضروری تھا کہ اسے غیر حقیقی، غیر موجود اور بے سُود قرار دیا جاتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس تسخیر کاری کا پہلا زہر آلود پھل یہ تھا کہ حقیقی نیکی اور حقیقی صداقت کا دائرہ مہلک حد تک محدود ہو کر رہ گیا۔ اور جب تہذیب ایک بار اِس راستہ پر چل نکلی تو پھر اس کو اسی راستہ پر آگے جانا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صداقت اور نیکی کی دنیا ہر روز زیادہ زیادہ حسّیت اور مادیّت کے تنگ سانچوں میں ڈھلتی گئی۔"

سوروکن آخر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دورِ حاضر کی حسّیت زدہ تہذیب کو بچانے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ اپنے حسّیت نواز بنیادی عقیدہ کو بدل کر اس کی جگہ کسی رُوحانی عقیدہ (یعنی خدا) کو اپنی بنیاد بنائے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اس مقصد کے حصُول کے لیے ضروری ہے کہ اس حسّیت زدہ تہذیب کے تمام مفروضات اور تمام اقدار کا نئے سر سے سے گہرا مطالعہ کیا جائے۔ اس کی بوسیدہ اور بیکار اقدار کو رد کیا جائے اور ان سچی قدروں کو بحال کیا جائے جنہیں انسانیت نے پسِ پُشت ڈال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ مذہب اور سائنس کا موجودہ افتراق حد درجہ تباہ کُن ہی نہیں بلکہ غیر ضروری بھی ہے ۔ اگر حقیقی صداقت اور حقیقی نیکی کے معقول اور تسلی بخش نظریہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو مذہب اور سائنس دونوں ایک ہی ہیں اور ایک ہی مقصد کو پُورا کرتے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ قادرِ مطلق خدا کی صفات کو اس مرئی دنیا کے اندر آشکار کیا جائے تاکہ خدا کے نام کا بول بالا ہو اور انسان کی عظمت پایۂ ثبوت کو پہنچے۔"

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ آیا ہمارے لیے مناسب ہے کہ مغرب کے اُن انسانی اور اجتماعی علوم کو اپنی یونیورسٹیوں میں پڑھائیں جن کو خود مغرب کے لوگ علوم کا درجہ نہیں دیتے اور ان کو بدلنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی تہذیب تباہی سے بچ جائے ۔ کیا ان علوم کو اپنا کر ہم خود بربادی کی راہوں پر نہیں چلیں گے ۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس زہر سے پرہیز کریں جس سے مغربی تہذیب مر رہی ہے اور مغرب کے حسی صداقت کے عقیدہ کو رد کر کے تمام طبیعیاتی، حیاتیاتی اور انسانی علوم کو نئے سرے سے اس طرح سے مدوّن کریں کہ خدا کا عقیدہ ان کا مرکز و محور بن جائے ۔ ان علوم کی نصابی کتابوں میں خدا کے عقیدہ کو اپنے مقام پر لانے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ مغرب میں ایسا نہیں کیا گیا ۔ لیکن اب مغرب کے لوگ منتظر ہیں کہ ایسا کیا جائے لہٰذا اب یہ رکاوٹ بھی باقی نہیں رہی ۔ مغرب کا ایک نامور فلسفی فیلڈ مارشل سمٹس جس نے ہولزم کے نام سے فلسفہ کی ایک عمدہ کتاب لکھی ہے کہتا ہے :

"یہ کہنا قرینِ انصاف ہوگا کہ سائنس ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کے لیے شاید خدا کی ہستی کا سب سے بڑا انکشاف ہے ۔ یقیناً مستقبل میں نوعِ انسانی کے لیے کرنے کے بڑے بڑے کاموں میں سے ایک یہ ہوگا کہ وہ سائنس کو اخلاقی قدروں کے ساتھ وابستہ کرنے اور اس طرح اس مہیب خطرے کا سدِّباب کرے جو ہماری تہذیب کے مستقبل کو درپیش ہے ۔"

(۲) اسلامی نظامِ تعلیم میں اسلامیات کا مضمون الگ بھی پڑھانا ضروری ہے لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم اس مضمون کی نصابی کتابوں کو اس طرح سے تیار کریں کہ وہ تمام اسلامی احکام کی (جن میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ بھی شامل ہیں) اور اسلامی ضابطۂ اخلاق کی دل نشیں وضاحت کرنے کے علاوہ اسلام کو ایک نظریۂ کائنات کے طور پر اس طرح سے پیش کریں کہ زمانہ حال کا انسان جو ہر اعتقاد اور عمل کی عقلی اور علمی توجیہہ چاہتا ہے اس سے پُوری طرح مطمئن ہو جائے ۔ اسلامیات کے طالب علم کے لیے اس زمانہ میں ان دو سوالات کا تسلی بخش جواب معلوم کرنا حد درجہ ضروری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) انسان کو مذہب کی ضرورت کیوں ہے۔

(۲) صرف اسلام ہی وہ مذہب کیوں ہے جو انسان کی اس ضرورت کو پورا کر سکتا ہے؟

خدا کا شکر ہے کہ اب اسلام کا فلسفہ ہمارے پاس اس شکل میں موجود ہے کہ ہم اس کی روشنی میں اسلامیات کی اس قسم کی کتابوں میں اسلام کو ایک عقلی اور علمی نظریہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے ان دو سوالوں کا نہایت ہی تسلی بخش جواب دے سکتے ہیں۔

(۳) اگر ہم نے اسلامی تعلیم کو ملک کے اتحاد کا ایک ذریعہ بنانا ہے تو یہ ضروری ہے کہ ہم لفظ تعلیم کے مفہوم کو وسعت دے کر اس میں نہ صرف یونیورسٹی کالج اور سکول کی تعلیم کو بلکہ اس تعلیم کو بھی شامل کریں جو ادر ذرائع سے انسان اور کائنات کے متعلق پاکستانی فرد کے نقطۂ نظر پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ ان ذرائع میں مطبوعات (اخبارات، رسائل اور کتابیں) خواہ وہ ملک کے اندر تیار کی گئی ہوں یا باہر سے آئی ہوں اور پبلک جلسوں میں ہونے والی تقریریں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگرام اور غیر ملکی یا ملکی فلمیں شامل ہیں۔ اگر ہم ان ذرائع تعلیم کو اسلام کی واقفیت اور محبت پیدا کرنے کے لیے استعمال نہ کریں گے تو وہ کسی نہ کسی رنگ میں لازماً اس مقصد کے خلاف معرضِ عمل میں آئیں گے اور قومی اتحاد پیدا کرنے کی اس کوشش کو بہت حد تک کالعدم کر دیں گے جو یونیورسٹی، کالج اور سکول کی طرف سے ہو رہی ہو گی۔

اگر ہمارے اتحاد کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ اسلام پر ہمارا مشترک عقیدہ مضبوط اور پختہ ہو تو ظاہر ہے کہ ہر وہ عمل جو اس عقیدہ کو کمزور اور مضمحل کرتا ہے خواہ وہ غیروں سے سرزد ہو یا اپنوں سے ہمارے اتحاد پر ایک ضرب لگاتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایسی ضربات کو صرف ایک یا دو طرف سے نہیں بلکہ ہر طرف سے روک دیں۔ اگر ہم اپنے نظریاتی جہاز کے ایک درجن سوراخوں کو بند کرنے کے بعد ایک سوراخ کو بھی کھلا چھوڑ دیں گے تو ہمارا جہاز منزلِ مقصود پر نہ پہنچ سکے گا۔

© rasailojaraid.com